مغرب اپنے مستشرقین کے ذریعے اسلام کو صدیوں سے نہایت تلخ تنقید کا ہدف بنائے ہوئے ہے۔ مخالفین کی زہریلی ذہنیت کا جواب جناب محمود بریلوی نے شیخ حسن البنّا شہید کے ایک خطبے کے طویل اقتباس کے پیرائے میں دیا ہے (ص ۳۰۹ تا ۳۱۲)۔ الاخوان المسلمون کے اس قائد نے مغربی معاشرت کے دیوالیہ پن اور اس صدی کی دو عالمی جنگوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اضطرابات اور انقلابات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ دانشورانِ مغرب کو صرف یہ اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ ایمان کہ اسلام کی ابدی صداقتیں پوری نوعِ انسانی کے لیے باعثِ فلاح ہیں، موجودہ تہذیب و ترقی کی بنیادیں ہلا کر رکھ دے گا۔

یہ ایک افسوس ناک مغالطہ ہے، مسلمان مجہول عقیدوں اور اوہام پر یقین نہیں رکھتے، ان کا عقل و شعور کے ساتھ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کے ذریعے نظامِ وحی کے تحت صراطِ مستقیم کی رہنمائی دی ہے۔ اور صحیح انسانی فکر جتنے بھی مثبت اور مفید اصولِ معاشرت دریافت کر سکی ہے، اسلام میں کوئی چیز ان کے خلاف نہیں پڑتی۔ صرف ایک بات کھٹکی - دیگر مذاہب پر جو اعتراض کئے گئے ہیں ان میں سے بعض اسلام کے خلاف بھی اُٹھائے جا سکتے ہیں۔

یہ کتاب تقابلِ ادیان کے سلسلے میں نصابی حیثیت سے بھی بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اساتذہ اور طلبہ توجہ کریں۔

---

**سفرنامۂ ایران** | از جناب اسعد گیلانی - ناشر: مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، اُردو بازار، لاہور۔ خوب صورت طباعت و کتابت، سفید کاغذ و رنگین سرورق۔ ضخامت ۲۰۲ صفحات۔

قیمت: ۳۰/- روپے۔

جناب اسعد گیلانی میری نگاہ میں نہایت پیاری شخصیت ہیں، وہ دسیوں کاموں کے ساتھ اس تیزی سے کتابیں لکھ کر ان کی اشاعت کا بندوبست کرتے ہیں کہ ایسی کوئی دوسری مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ پھر وہ جس نقطۂ نظر کے علمبردار بن جائیں اس کو ایسے زورِ ادبیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ساری شخصیت کو اسی میں گھلا دیں گے۔ ان کے سیلابِ اظہار کی بپائی موجوں کی کشش ایسی ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اپنا وجود ان موجوں کے حوالے کر دیا جائے اور باقی

سب کچھ ساحل پہ چھوڑ دیا جائے ۔ پھر وہ دیرینہ رفیق سفر ہیں ، میرے ذاتی محب ہیں اور میری مساعی تحریر و تقریر سے ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے ہیں ۔ ان کی کسی کتاب پر تبصرہ لکھنا آسان نہیں ۔ یہ کتاب میرے نزدیک دینی و سیاسی حیثیت کے بجائے اوّلین درجے پہ ادبی اہمیت رکھتی ہے اور سفرنامہ نگاری یا بیانیہ تحریروں کے دائرے میں ایک اہم مقام رکھتی ہے ۔ یہ تو ایک شاندار آبگینہ ہے اور آبگینوں سے لطف اندوز ہونا تو برحق ہے ، مگر تنقید کی نگاہ اُن پر ڈالنا زیادتی ہے ۔ میں نے اس کتاب کو پہلی خواندگی میں "نظر باقی" حیثیت دینے کے بجائے محض ادبی حیثیت سے استفادہ کیا ہے ۔

وہ خمینوی انقلاب کے بعد دو مرتبہ سفرِ ایران (اور ایک مرتبہ سفر برطانیہ باہتمام مسلم انسٹی ٹیوٹ ایرانی) سے مشرف ہو چکے ہیں ۔ انہوں نے خود ہی لکھا ہے کہ وہ دونوں مرتبہ انقلابی حکومت کے مہمان کی حیثیت سے بنائے "چینل" کی پابندی میں ایران اور انقلاب ایران کا جائزہ لے سکے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری کتاب میں کہیں بھی کوئی ایسا اہم اختلافی نکتہ نہیں مل سکا جو گواہی دے کہ انہوں نے وہاں کے انقلابی نظام اور معاشرہ کے "قشر" کے نیچے بھی نگاہ ڈالی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ایسا بے عیب انقلاب تو کسی پیغمبر ہی کا لایا ہوا ہو سکتا ہے جس کی تصویر اس کتاب میں ملتی ہے ۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انقلابِ ایران جیسے بڑے واقعے کو جب اسلامی تحریک کا کوئی مبصر دیکھنے جائے تو اس کے دل و دماغ میں عدل کی ایک ترازو نصب ہونی چاہیے جس کے مختلف مظاہر کو وہ دونوں پلڑوں میں ڈال کر ایک منصفانہ رپورٹ دنیا کے سامنے رکھے اور کہے کہ چاہے اہم تر مقاصد کے لیے ہم ایران کے انقلاب کے کتنے ہی بڑے حامی کیوں نہ ہوں ، مگر ہم تصویر کے دونوں رُخ دیکھنے کے لیے دونوں آنکھیں کھلی رکھتے ہیں ۔ اس معاملے میں ہم تمام حامیوں اور مخالفوں سے مختلف ہیں ۔

اگر ہم نے اپنے اس مقامِ وسط کو اختیار نہ کیا اور کچھ لوگ خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ایرانی انقلاب کا پُرزور پروپیگنڈا کرنے میں لگ گئے اور کچھ لازماً جوابی راہ بھی اختیار کریں گے تو یک طرفہ پن یا "انتہا پسندی" کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری صفیں بھی ٹوٹ کر دو حصوں میں بٹ جائیں گی ۔ عجب کہ بعض

مسلم ممالک کی اسلامی تحریکوں میں محدود پیمانے پر یہ حادثہ ہو چکا ہے۔ پھر کیا ہمارے ذہین لوگ بھی یہاں یہی چاہتے ہیں۔ ہمارے اندر بھی انقلابِ ایران واقع ہو جائے۔ انقلابِ ایران کے ائمہ تو یہی چاہتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی بغیر کسی کے خلاف "احساسِ رقابت" کے، واضح رہنی چاہیے کہ اس دور میں "اسلامی انقلاب" کا تصور سب سے پہلے مولانا مودودیؒ نے دیا اور اس کے منتہا اور مراحل پر تفصیلی بحثیں کی، اس کے لیے کارکنان کی قوت جمع کی، اس کی تربیت کی اور حقیقی اسلامی انقلاب کی علمبردار یہی قوت ہے۔ دُنیا کے ہر ایسے انقلاب کو جو اسلامی کہلائے اسی تصور کی کسوٹی پر جانچنا لازم ہے۔ کیونکہ اس کے ہر جزو کے لیے کتاب و سنت سے برسوں تک استدلال اور مشوروں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ نہیں کہ جہاں کہیں ہم سے مختلف حالات میں کسی قسم کا کوئی اسلامی انقلاب واقع ہو جائے اور اس کے کچھ اچھے پہلو نمایاں ہوں۔ وہ لازماً پورے کا پورا معیاری اسلامی انقلاب ہو۔ اس کے آبِ زلال میں کچھ دُردِ تہ نشین بھی ہو سکتی ہے۔ زیرک و مدبر وہ ہے جو آبِ زلال کی قدر بھی کرے اور "دردِ تہ نشین" کو آبِ زلال کی ضد بھی قرار دے۔ دُنیا میں بڑی مصیبت جمع اضداد ہے۔ اس کا تجزیہ کسی بھی صاحبِ دماغ پر فرض ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ ایران کے مخصوص حالاتِ دُنیا میں کہیں بھی نہیں ہیں اور پاکستان میں تو بالکل دوسرا ہی نقشہ ہے۔ مولانا مودودیؒ نے یہاں کے حالات کو خصوصاً ملحوظ رکھا ہے۔

یہ بات تو درست ہے کہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ایرانی انقلاب کے عمل کے دوران میں وہاں کے باشندوں کی مظلومیت اور شاہ کی جبریت کو بڑے کرب سے محسوس کیا، اور امام خمینی کے بعض اعلانات سے ان کے اندر کچھ حُسنِ ظن بھی پیدا ہوا۔ مگر بعد کے واقعاتی نقشے کو دیکھ کر مولینا رنجیدہ بھی رہے کیونکہ اُمیدوں کی بلندی سے گرنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مولانا کے نام اور حوالے کے استعمال میں ہمیں بے حد محتاط ہونا چاہیے۔ پھر ہم جو چاہیں اپنی جانب سے کہیں۔

ایرانی انقلاب کا یہ نعرہ کہ "لا شیعۃٌ ولا سُنّیۃٌ" جو آج تک جاری ہے کیا حقیقت اسی کے مطابق ہے؟ اسعد صاحب کی گواہی اس کے خلاف ہے۔

مگر جونہی اسعد صاحب کی پیاری شخصیت اور اُن کی پُر زور ادبیت سامنے آتی ہے، جی چاہتا ہے کہ متذکرہ ساری باتوں کو ان پر قربان کر کے اُن کی ہر بات کو شرح صدر سے مان لیا جائے۔

اتفاق سے ان دنوں متعدد کتابیں انقلابِ ایران کے متعلق میرے پاس آگئیں اور جناب خمینی اور کلیم صدیقی سے لے کر محمد حسنین ہیکل اور اختر کاشمیری تک کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کسی آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ مجموعی حاصلِ مطالعہ عرض کر سکوں گا۔

---

(بقیہ حکمتِ سید مودودیؒ)

اور پرہیزگاری اس کو سمجھتے ہیں کہ دُنیا کے معاملات ہی سے پرہیز کریں، اور دوسری طرف ساری دُنیا کے کاروبار بدوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں جن کی زبان پر نیکی کا نام اگر کبھی آتا بھی ہے تو صرف خلقِ خدا کو دھوکہ دینے کے لیے۔ اس خرابی کا علاج صرف یہی ہو سکتا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانت دار بھی ہو، خدا کے پسندیدہ اخلاق و صاف سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دُنیا کے معاملات کو دُنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دُنیا داری ہی میں اپنی مہارت و قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی سیاسی کام نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے زیادہ کامیاب سیاسی تحریک اور کوئی ہو سکتی ہے کہ ایسے ایک صالح گروہ کو منظم کر لیا جائے، بد اخلاق اور بے اُصول لوگوں کے لیے دُنیا کی چراگاہ میں بس اُسی وقت تک چرنے چگنے کی مہلت ہے جب تک ایسا گروہ تیار نہیں ہو جاتا، اور جب ایسا گروہ تیار ہو جائے گا تو آپ یقین رکھیے کہ نہ صرف آپ کے اس ملک کی بلکہ بتدریج ساری دُنیا کی سیاست اور معیشت اور مالیات اور علوم و آداب اور عدل و انصاف کی باگیں اسی گروہ کے ہاتھ آجائیں گی اور فساق و فجار کا چراغ ان کے آگے نہ جل سکے گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہوگا۔ لیکن جتنا مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے اتنا ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ انقلاب بہرحال رونما ہو کر رہے گا۔ بشرطیکہ ہمیں صالحین کے ایسے گروہ کو منظم کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ (دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات۔ ص ۴۶ تا ۵۰)

---